قسط ۴

مولانا عبدالقدوس گنگوہیؒ کی

لطائف قدوسی کی تاریخی اہمیت

جناب پروفیسر محمد اسلم صاحب

لاہور

حضرت گنگوہیؒ اور سروانی افغان عمر خان سروانی لودھی عہد کا ایک نامور امیر تھا۔ سلطان بہلول لودھی نے اُسے شاہزادہ نظام، جو بعد میں سکندر لودھی کے لقب سے تخت نشین ہوا، کے سپرد کیا۔ کچھ عرصہ بعد وہ شاہزادہ سے ناراض ہو کر باربک شاہ کے پاس جونپور چلا گیا۔ لیکن وہاں اس کی خاطر پذیرائی نہ ہوئی۔ عمر خان وہاں سے برداشتہ ہو کر جونپور سے رودولی چلا آیا۔ اور یہاں آتے ہی اس نے لوگوں سے پوچھا کہ اس جگہ کوئی درویش موجود ہے؟ لوگوں نے حضرت گنگوہی کا نام لیا تو وہ انہیں ملنے آیا۔ اور عندا لملاقات ان کے پاؤں پکڑ کر کہنے لگا "میرے پاس رہنے کی جگہ نہیں آپ مجھے جگہ دیجیے"۔ حضرت نے اس کی دلجوئی کے لئے فرمایا:

اگر عنداللہ مارا جائی ہست ترا نیز خواہد بود۔ اندیشہ مکن کار تو بر حسب مطلوب خواہد شد [۱۱۳]

اگر اللہ کی طرف سے ہمارے لئے جگہ ہے تو آپ کے لئے بھی بن جائے گی۔ آپ فکر مند نہ ہوں۔ آپ کا کام حسب منشا ہو جائے گا۔

حضرت گنگوہی کی ملاقات کے بعد وہ یونس دیوانے سے بھی ملا۔ اور اسے نذر پیش کی۔ یونس نے عمر خان کو کرسی پر بٹھایا جس سے یہ مراد تھی کہ اسے سلطان کے دربار میں عزت کی جگہ ملے گی۔ ابھی عمر خان اپنی قیام گاہ پر نہیں پہنچا تھا کہ راستے میں اسے شاہزادہ نظام کے قاصد مل گئے۔ وہ اس کے لئے خلعت لے کر آئے تھے۔ انہوں نے عمر خان کے سامنے قرآن پاک کی قسمیں کھا کر اسے یقین دلایا کہ شہزادے کے دل میں اس کی طرف سے کوئی غبار نہیں ہے۔ عمر خان یہ مژدہ سن کر بے حد خوش ہوا۔ اور قاصدوں کے شاہزادے سے ملنے چلا گیا [۱۱۳]

[۱۱۱] شیخ رکن الدین۔ لطائف قدوسی ص ۸۳ [۱۱۲] ایضاً ص ۳۰

[۱۱۳] ایضاً ص ۳۰-۳۱

عمر خان سروانی کی بیٹی بی بی اسلام خانو حضرت گنگوہی کی مرید تھی۔ اس نے راہ سلوک میں بڑی محنت کی اور ہر وقت عبادت میں مشغول رہتی تھی۔ شیخ رکن الدین فرماتے ہیں کہ وہ اپنے ہر عضو سے "اللہ" کی آواز سنتی تھی۔ اس کے دو بھائی ہیبت خان اور سعید خان کا شمار حضرت گنگوہی کے مخالفین میں ہوتا تھا۔ انہوں نے حضرت کو شاہ آباد سے نکالنے کا عزم کیا۔ جب حضرت کو ان کے اس ناپاک ارادے کی اطلاع ملی تو انہوں نے فرمایا کہ دیکھا جائے گا۔ اس واقعے کے چند روز بعد سروانیوں پر سلطان سکندر لودھی کا عتاب نازل ہوا۔ اور وہ شاہ آباد سے نقل مکانی کر کے گجرات چلے گئے۔ بی بی اسلام خانو کہا کرتی تھی کہ اس کے بھائیوں پر اس کے پیر کا غصہ نازل ہوا ہے[۱۱۴]۔

حضرت گنگوہی اپنی اس مریدہ کا بڑا خیال رکھتے تھے۔ مکتوبات قدوسیہ میں اس کے نام حضرت کا ایک خط موجود ہے جس میں موصوف اسے لکھتے ہیں کہ اس کا شمار "مردانِ حق" میں ہوتا ہے۔ وہ اس قابل ہے کہ اسے خرقہ دیا جاتا اور خلافت عطا کی جاتی۔ لیکن چونکہ وہ عورت ہے اس لئے وہ اس کی مجاز نہیں[۱۱۵]۔

سروانیوں کے ساتھ حضرت گنگوہی کے تعلقات بڑے خوشگوار تھے اور ان کے اکابر کے ساتھ ان کی باقاعدہ خط و کتابت رہتی تھی۔ مکتوبات قدوسیہ میں بہلول سروانی، سعید خان سروانی، بی بی اسلام خانو، راجو سروانی، ہیبت خان سروانی اور ابراہیم سروانی کے نام حضرت کے خط موجود ہیں۔ ان خطوں میں حضرت نے ان کے لئے جو القاب تحریر فرمائے ہیں وہ قابل مطالعہ ہیں۔

اننت کر جوگی جن دنوں عیسیٰ خان سروانی، سلطان محمود کے ساتھ بہار میں مقیم تھا۔ ان دنوں خان مذکور کے پاس اننت کر نامی ایک سنیاسی آیا اور کہنے لگا کہ بال ناتھ جوگی ساکن ٹلہ نے بابر کی مدد کی ہے۔ اس لئے وہ افغانوں کی مدد کے لئے آیا ہے۔ جب افغانوں کی مغلوں کے ساتھ جنگ ہوگی تو وہ میدانِ جنگ میں دشمنوں کی طرف رخ کرے گا اور وہ مقابلہ کی تاب نہ لاسکیں گے۔ اننت کر سلطان محمود کے استاد میاں مخدوم سے بھی ملا اور وہاں بھی اس نے ایسی ہی بڑ ماری لیکن کسی نے اس کا اعتبار نہیں کیا۔

دتو سروانی اس زمانے میں عیسیٰ خان سروانی کے ساتھ مقیم تھا۔ اس کی اننت کر کے آشنائی ہوگئی۔ وہ بقول اس کے توحید خوب بیان کرتا تھا[۱۱۶]۔ ایک رات دتو نے حضرت گنگوہی کو خواب میں دیکھا انہوں نے اسے "تنبیہ" کی کہ اس

---

[۱۱۴] ایضاً ص ۸۱

[۱۱۵] شیخ عبدالقدوس، مکتوبات قدوسیہ، مکتوب نمبر ۸۶ ص ۹۱ "آں خواہر در میان مردانِ حق تعالیٰ قدم زدہ است کہ چشمۂ پیران رواں کندہ"

[۱۱۶] شیخ رکن الدین، لطائف قدوسی ص ۴۷ — "توحید نیکو بیان می کردہ"

سنیاسی کی صحبت سے پرہیز کرے کیونکہ وہ زندیق ہے اور اسے خدا کا قرب حاصل نہیں۔ اتفاق سے انہی دنوں دتو بالاپتھ چلا گیا اور یوں اننت کر سے ملاقاتوں کا سلسلہ ختم ہو گیا۔ اس واقعہ کے دو سال بعد اننت کر بھی بالاپتھ پہنچ گیا۔ اور دتو کو تلاش کرتے کرتے اس کے گھر پہنچ گیا۔ دتو ان دنوں گھر پر موجود نہ تھا اور دیہات کا دورہ کر رہا تھا۔ اننت کر نے پیچھے بعد دیگرے تین قاصد اس کے پاس یہ پیام دے کر بھیجے کہ وہ اسی سے ملنے آیا تھا۔ لیکن ملاقات نہ ہو سکی۔ اب وہ تیرتھ یاترا کے لئے پریاگ (پریاگ ؟) جا رہا ہے اور واپسی پر ان سے ملے گا۔

انہی دنوں دتو نے خواب میں حضرت گنگوہی اور ان کے فرزند اکبر شیخ حمیدالدین کو دیکھا انہوں نے کہا کہ انہوں نے پہلے بھی منع کیا تھا کہ اس زندیق سنیاسی کی صحبت سے احتراز کیا کرے۔ دتو کہتا ہے کہ اس نے اننت کر کو بھی اپنے مرشد کے قریب کھڑے دیکھا۔ حضرت گنگوہی نے اپنا جوتا اتار کر شیخ حمیدالدین کو دیا اور اسے سنیاسی کے سر پر مارنے کا حکم دیا۔ انہوں نے تعمیل حکم میں تین جوتے اننت کر کے سر پر لگائے۔ اس واقعہ کے دو تین روز بعد ہی وہ بالاپتھ سے چلا گیا اور چند روز بعد خبر ملی کہ مغلوں نے اسے قتل کر دیا ہے۔[۱۱۷]

لطائف قدوسی میں صفحہ ۷۰ کے بعد کے تمام واقعات فاضل مرتب نے دتو سروانی کی روایت سے تحریر کئے ہیں جب تک غور سے ان صفحات کا مطالعہ نہ کیا جائے تو قاری یہی تاثر لیتا ہے کہ واقعات کا مرکزی کردار شیخ رکن الدین ہیں۔ اننت کر کے ساتھ دتو سروانی کی ملاقات تھی اور وہی اس سے "اسرار توحید" سیکھنے جایا کرتے تھے[۱۱۸] استاد گرامی پروفیسر خلیق احمد نظامی نے "سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات" میں لطائف قدوسی کے حوالے سے یہ لکھا ہے کہ شیخ رکن الدین ایک ہندو جوگی سے "اسرار توحید" سیکھنے جایا کرتے تھے[۱۱۹]

راقم السطور نے بھی استاد گرامی کی تحریروں پر اعتماد کرتے ہوئے ایک سے زائد بار یہی بات دہرائی۔ اب جب لطائف قدوسی کا بغور مطالعہ کیا تو معلوم ہوا کہ شیخ رکن الدین نے یہ واقعہ دتو سروانی کی زبانی نقل کیا ہے موصوف کبھی کسی ہندو سنیاسی کی صحبت میں نہیں بیٹھے۔

ان اکرمکم عنداللہ اتقاکم جامع ملفوظات شیخ رکن الدین تحریر فرماتے ہیں کہ گنگوہ میں ابراہیم نامی ایک جولاہا رہتا تھا جو کھڈی چلانے کے ساتھ ساتھ درویشی میں بھی قدم رکھتا تھا۔ جب اس کا انتقال ہوا تو حضرت گنگوہی نے اس کی نماز جنازہ پڑھائی جب موصوف نماز سے فارغ ہوئے تو شیخ رکن الدین سے مخاطب ہو کر کہنے لگے "مرتبہ این ہیبت بلند و رفیع در نظر می آید" اس واقعہ کے چند روز بعد حضرت گنگوہی دہلی تشریف لے گئے۔

---

[۱۱۸] ایضاً

[۱۱۹] خلیق احمد نظامی، سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات۔ مطبوعہ دہلی ۱۹۵۸ء، ص ۱۵۴

جن دنوں موصوف دہلی میں قیام پذیر تھے انہی دنوں سلسلہ سہروردیہ کے نامور شیخ حضرت سماءالدین کا انتقال ہوا حضرت گنگوہی جنازے میں شریک ہوئے۔ نماز جنازہ سے فراغت کے بعد انہوں نے شیخ رکن الدین سے کہا۔ "مرتبہ ایں میت ہم چو مرتبہ ابراہیم نمی بینم" اس کے بعد موصوف ابراہیم کا نام عزت سے لینے لگے اور جب بھی اس کا ذکر آتا تو اسے "شیخ ابراہیم کہتے"۔ [119]

پیر ہو تو ایسا شیخ رکن الدین کے استاد مولانا جندن ایک خوبصورت عورت پر فریفتہ ہو گئے۔ خدا کی رحمت مریضِ عشق کے شاملِ حال تھی۔ اس لئے روز بروز مرض بڑھتا گیا۔ ایک دن انہیں معلوم ہوا کہ ان کی معشوقہ ندی پہ کپڑے دھونے گئی ہے۔ مولانا بھی وضو کے بہانے لبِ جو پہنچ گئے اور اس کے قریب ہی اپنے کپڑے دھونے بیٹھ گئے۔ مولانا کا دھیان کپڑوں کی بجائے اپنی معشوقہ کی طرف لگا رہا اور جب ان پر عشق کا غلبہ ہوا تو موصوف "فعلِ نامشروع" کرنے پر آمادہ ہو گئے۔ مولانا اپنی جگہ سے ابھی اٹھنے بھی نہ پائے تھے کہ انہوں نے حضرت گنگوہی کو عصا تھامے اپنی طرف آتے دیکھا۔ مولانا جندن بے حد شرمندہ ہوئے اور وہاں سے کھسک گئے۔ موصوف شرم کے مارے کئی روز تک حضرت گنگوہی کے سامنے آنے سے ہچکچاتے رہے۔ مولانا جندن زبانِ حال سے ع

آفت کا سامنا ہو ترا سامنا نہ ہو

گنگناتے ہوئے گلی سے گزر رہے تھے کہ ایک نکڑ پر حضرت گنگوہی سے مڈبھیڑ ہو گئی۔ حضرت نے انہیں دیکھتے ہی فرمایا

"پاک نیست پیراں محافظ وقت اند" [120]

آداب پیراں واستاداں حضرت گنگوہی فرماتے ہیں کہ استادوں اور پیروں کے ادب کا یہ تقاضا ہے کہ ان سے صرف ایک یا دو بار التماس کرنی چاہیئے۔ مریدوں اور شاگردوں کو چاہیئے کہ وہ تیسری بار التماس نہ کریں۔ [121]

حضرت گنگوہی اور ہندو حضرت گنگوہی وحدت الوجود کے بہت بڑے داعی تھے۔ عام طور پر وحدت الوجودی صوفی بڑے وسیع المشرب ہوتے ہیں۔ حضرت گنگوہی کی یہ تحریر ان کے وسعتِ قلب کا پتہ دیتی ہے۔

"ایں چہ شور و ایں چہ غوغا کشادہ، کسی مومن کسی کافر، کسی مطیع کسی عاصی، کسی در راہ کسی بیراہ، کسی مسلم کسی پارسا، کسی ملحد کسی ترسا، وہمہ در یک مسلک است" [122]

---

[119] شیخ رکن الدین، لطائف قدوسی ص ۵۷ [120] ایضاً ص ۳۳

[121] ایضاً ص ۱۸

[122] شیخ عبدالقدوس، مکتوبات قدوسیہ، مکتوب نمبر ۱۱۰ ص ۲۰۵

اس قدر وسعت قلب کے باوجود حضرت گنگوہی اپنے پیشرو چشتی بزرگوں کی نسبت ہندوؤں کے بارے میں بڑے متشدد تھے۔ موصوف بابر کے نام ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں:

ہیچ کس از کفار عہدہ دیوانی و ہیچ وجہ نبود
در دفاتر قلم نزنند و امیر و عامل نباشند
چنانکہ در شرع خواری ایشاں کرد وہم
صاغرون است ہمراں نوع خوار و ذلیل باشند
و مالگزاری کنند و جزیہ و زکوٰۃ مال بر وجہ شرع
از ایشاں بگیرند و از جامہ پوشش مسلمانان
منع سازند۔ و کفر خود مستور دارند و مراسم کفر
بر طریق غلبہ و اعلان نکنند۔ مواجب از
بیت المال اسلام نیابند و بکسب خود مشغول
باشند و با مسلمانان ہیچ برابری نکنند تا
رونق اسلام بعز کمال رسد۔[123]

کسی بھی کافر کو عہدۂ دیوانی پر مامور نہ کریں
یہاں تک کہ انہیں سرکاری دفاتر میں کلرک
کا کام بھی نہ کرنے دیں۔ انہیں امیر اور عامل
کے عہدے نہ دیئے جائیں۔ اور جس طرح
شریعت میں "ہم صاغرون" کے تحت ان کی ذلت
آئی ہے اسی طرح وہ ذلیل و خوار رہیں۔ وہ سرکاری
واجبات ادا کریں اور ان سے شریعت کے
مطابق جزیہ اور زکوٰۃ وصول کی جائے انہیں
مسلمانوں جیسا لباس پہننے سے روکا جائے
وہ اپنے کفر کو پوشیدہ رکھیں اور کفر کے
شعار اعلانیہ اور زبردستی بجا نہ لائیں۔ وہ
اسلام کے بیت المال سے رقوم نہ لیں وہ اپنے
کسب کار میں لگے رہیں اور کسی طرح بھی مسلمانوں
کی برابری نہ کریں تاکہ اسلام کی رونق اپنے
نقطۂ عروج کو پہنچے۔

کیا کوئی شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ یہ اسی بزرگ کی تحریر ہے جو کافر و مومن کو "ہمہ در یک مسلک است" سمجھتے تھے دراصل بات یہ ہے کہ حضرت گنگوہیؒ نے رودولی میں مسلمانوں کی حکومت ہوتے ہوئے ہندوؤں کا عمل دخل دیکھ لیا تھا۔ ان کی موجودگی میں ہندو اسلامی شعار مٹانے لگے تھے اور مسلمانوں کو چڑانے کے لئے بازاروں میں کھلے بندوں سؤر کا گوشت فروخت کرنے لگے تھے، حضرت گنگوہیؒ نے ہندوؤں کی ذہنیت کو بروقت بھانپ کر بابر کو یہ مشورہ دیا تھا کہ وہ انہیں سرکاری دفاتر میں بھرتی نہ کرے اور ان سے جزیہ وصول کرے۔

۱۲۲؎ شیخ عبدالقدوس۔ مکتوبات قدوسیہ۔ مکتوب نمبر ۱۱۰ ص ۲۰۵

۱۲۳؎ ایضاً۔ مکتوب نمبر ۱۶۹ ص ۳۳۷

حضرت گنگوہی کا عقیدہ

یہ بات عام مشہور ہے کہ چشتیہ سلسلہ کے اکثر و بیشتر بزرگ تفضیلی عقیدہ رکھتے شاہ نیاز احمد بریلوی۔ خواجہ حسن نظامی اور ان کے خلفا سجادہ نشینان پھلواری۔ مارہرہ، کاکوری اور بدایوں کو سنّی ثابت کرنا اگر ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔ چشتیہ سلسلہ کے مشائخ کی کثرت کے برخلاف حضرت گنگوہی صحیح سنّی عقیدہ رکھتے تھے۔ موصوف ایک خط میں لکھتے ہیں:

"صدیق اکبرؓ بر جملہ اولیاء عالم فضل آمد کہ ابتدا تا انتہا فضل صحبت یافت"[124]

لودھیوں کے زمانے کی دہلی

لودھیوں کے عہد کی دہلی کے متعلق لطائف قدوسی میں چند باتیں برسبیل تذکرہ آگئی ہیں۔ جامع ملفوظات نے سرای میاں بہورہ اور سرای شیخ عبدالصمد جونپوری کا ذکر کیا ہے[125] اسی طرح ایک موقع پر انہوں نے شیخ عبدالصمد کی خانقاہ کا بھی ذکر کیا ہے[126] حضرت گیسو دراز کے ملفوظات میں قدیم دہلی کے تیرہ دروازوں کے نام برسبیل تذکرہ آگئے ہیں۔ انہوں نے دروازۂ پالم۔ دروازۂ شمعار۔ دروازۂ بزرگ۔ دروازۂ کشمیر۔ دروازۂ غزنین۔ دروازۂ بھیلسہ۔ دروازۂ مندہ۔ دروازۂ کمال۔ دروازۂ دہلی۔ دروازۂ بداؤں۔ دروازۂ سیری۔ دروازۂ حاجب عطار اور دروازۂ حوض رانی کا ذکر کیا ہے[127]

ضیاء الدین برنی نے اس فہرست میں دروازۂ بھندرکال کا اضافہ کیا ہے[128]

شیخ رکن الدین کو خدا جزائے خیر دے انہوں نے ہمارے علم میں یہ اضافہ کیا ہے کہ ایک دروازہ بغداد بھی موجود تھا۔[129]

---

[124] ایضاً، مکتوب نمبر ۱۰۵ ص ۱۹۰

[125] شیخ رکن الدین۔ لطائف قدوسی ص ۴۹

[126] ایضاً

[127] محمد اسلم، سرمایۂ عمر۔ مطبوعہ لاہور ۱۹۷۶ء ص ۲۰۶

[128] ضیاء الدین برنی۔ تاریخ فیروز شاہی۔ مطبوعہ علی گڈھ ۱۹۵۷ء ج ۲۔ ص ۱۱۰

[129] شیخ رکن الدین۔ لطائف قدوسی ص ۴۹